

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

گذشتہ ماہ ان صفحات میں ہم نے جماعت اسلامی کے ارکان، مہدروں اور بھی خواہوں کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی تھیں۔ اس مرتبہ ہم چند باتیں ملک کے غیر جانبدار حضرات اور جماعت اسلامی کے مخالفین سے بھی کہنا چاہتے ہیں۔ ہم بارگاہِ خداوندی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ علیم وخبیر ذات ان نازک حالات میں انہیں سمجھ بوجھ عطا کرے اور وہ محسنِ چڑچڑ، سند یا مفاد پرستی میں اندھے ہو کر کوئی غلط اقدام نہ کر بیٹھیں۔

پہلے گروہ سے ہم بڑے احترام کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے ضمیر کو ٹوٹے اور یہ معلوم کرے کہ جماعت اسلامی کے معاملے میں وہ غیر جانبدار ہی سہی مگر کہیں اسلام کے معاملے میں بھی وہ غیر جانبدار تو نہیں ہو گئے؟ جماعت اسلامی کو اگر بعض لوگ پسند نہیں کرتے یا اس کے کسی طرزِ عمل اور اس کی کسی روش سے انہیں اختلاف ہے تو انہیں اس کا پورا حق ہے، مگر انہیں دیکھنا چاہیے کہ ان کی اس ناپسندیدگی اور ان کے اس اختلاف سے کہیں کفر و الحاد کو تو فائدہ نہیں پہنچ رہا؟ تاریخ میں اس قسم کی غیر جانب داری یا دوسرے لفظوں میں عافیت کوشی سے قوموں اور ملکوں کو شدید نقصانات پہنچے ہیں بلکہ بے شمار مملکتیں تباہ ہوئی ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب دو گروہ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو بعض لوگ جنہیں دونوں گروہوں سے کچھ نہ کچھ اختلافات ہوتے ہیں وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان دونوں کے ٹکرانے سے ان کی قوت کمزور ہوگی اور عافیت پسند اور غیر جانبدار گروہ کو آگے بڑھنے اور اقتدار حاصل کرنے

کے مواقع حاصل ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ دونوں گروہوں کے بارے میں بڑے چٹے ٹکٹے الفاظ میں نفرین بھیجتے رہتے ہیں کبھی ایک کی خامی بیان کر دیتے ہیں اور کبھی دوسرے کے طرز عمل سے شکایت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ”ثالث بالآخر“ بن کر تماشہ دیکھتے ہیں اور دونوں گروہ جب ٹکڑا ٹکڑا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں تو پھر وہ میدان میں اتر کر اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جس طرز عمل کو ”یہ ثالث بالآخر“ طبقہ نظر اہر اعتدال پسندی اور غیر جانبداری کی روش خیال کرتا ہے اور اپنے خیال میں جسے وہ ملک و قوم کی خدمت سمجھتا ہے وہ درحقیقت عافیت کوشی اور مفاد پرستی کی روش ہے جو قومی اور ملکی نقطہ نظر سے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ روش عاقبت نااندیشی کے اعتبار سے کچھ اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ کسی امن پسند شہری کے مکان پر چنڈ ڈاکو حملہ آور ہو کر اس کی اولاد کو قتل کرنا اور اُس کے مال کو لوٹنا شروع کر دیں اور اہل خانہ اگر ڈاکوؤں کی مزاحمت پر آمادہ ہو جائیں تو اُس پاس کے پڑوسی اس خونخوئی ڈرامہ کو بڑے ٹھنڈے جذبات کے ساتھ دیکھتے رہیں اور بڑے نصیحت آمیز لہجے میں یہ آواز بلند کرتے رہیں کہ آپ لوگوں کو اعتدال کا دین ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے تمہاری انتہا پسندانہ روش سے خون خرابہ ہونے کا خطرہ ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جس سے ”ثالث بالآخر“ ذہنی طور پر ترفع ٹاکیف افہر جانبداری سے حاصل ہونے والی عارضی عافیت حاصل کر سکتا ہے مگر اس طرز عمل سے وہ نہ تو کسی ظالم کا ہاتھ دک سکتا ہے اور نہ مظلوم کو ظلم سے بچا سکتا ہے اور نہ خود اپنے آپ کو زیادہ دیر تک ظلم سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ظلم ایک اندھی بہری قوت ہے۔ وہ جب ایک مرتبہ میدان میں نکل پڑتی ہے تو پھر اس کی تاخت کسی حد پر جا کر رک نہیں جاتی بلکہ ایک کو تختہ مشق بنا چکنے کے بعد دوسرے کی طرف بڑھتی ہے، یہاں تک کہ کوئی اس کی دست برد سے بچا نہیں رہ جاتا۔ ظلم کو روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے ایک طاقت بن کر سرگرم عمل ہونے سے پہلے ہی روک دیا جائے۔ لیکن اگر اسنبد ادا کیا جے جس انجن ایک مرتبہ حرکت میں آکر ٹھکن شروع کر دے تو پھر اس کی روک کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا بلکہ جو بھی اس کی راہ میں مائل ہوتا ہے وہ خود بھی اُس کی لپیٹ میں آکر ہلاک ہو جاتا ہے۔

انسان کے سفلی جذبات میں سب سے افضل جذبہ ظلم ہے جو بہت سے دوسرے ناپاک اور مذموم جذبات مثلاً خود غرضی، خود پسندی، حسد، غرور و تکبر، انسانیت سے نفرت، جذبہ تعمیر کے فقدان، پست ہمتی اور بزدلی سے عبارت ہوتا ہے۔ آدمی کے اچھے اور بُرے جذبات کے مابین کچھ عرصہ تک کشمکش جاری رہتی ہے مگر بیماری کے جراثیم کی طرح جب بُرے جذبات اچھے احساسات پر غالب آجاتے ہیں تو اُس کا دل جذبہ رحم سے یکسر خالی ہو جاتا ہے اور اسے ظلم کی تاریکی پوری طرح گھیر لیتی ہے۔ پھر یہ شخص اُن بُرے جذبات کے متاثر لوگوں کو اپنے ظلم کا تختہ متفق بناتا ہے۔ جس گروہ کے دل لطیف احساسات کے مولد و مسکن ہونے کے بجائے جبر و استبداد کے ظلمت کے سہ ہوں اور جس کے افراد کو ہمیشہ ایک ہی فکر دامن گیر رہتی ہو کہ کسی طرح اپنے مخفی فیض کو بے وردی کے ساتھ دُنیا سے مٹا دیا جائے اُس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ نصیحت اور جلدی کی کوئی بات سنتے پر آمادہ ہوگا پر لے درجہ کی سادگی ہے۔

بجلائی کی بات تو ان لوگوں کے قلب و دماغ پر اثر کرتی ہے جو انسانیت کے جوہر سے یکسر محروم نہ ہو چکے ہوں۔ اور اس جوہر کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کو نصیحت و ناصیحت کرنے کے درپے نہیں ہوتا بلکہ انہیں ترغیب و تلقین اور معقول اور شائستہ انداز میں، دلائل کی قوت کے ساتھ اپنا ہمنوا بناتا ہے مگر جو لوگ اس صحیح روش کو چھوڑ کر جلاؤ، گھیراؤ کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا عزم رکھتے ہوں اُن سے ملک و ملت کو بچانے کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ راتے عام کو اس قسم کے ظالمانہ اور انسانیت کش طرزِ عمل کے خلاف بیدار کیا جائے اور ظلم و استبداد کے ان اٹھتے ہوئے طوفانوں کو فرو کرنے کے لیے قوم کو تیار کیا جائے۔

اگر اس اندھی جارحیت اور اس کے خوفناک عواقب اور اس کے رُوح فرسا اور المناک نتائج سے عوام کو برداشت آگاہ کرنا اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے انہیں آمادہ کرنا غیر اعتدال پسندانہ روش ہے تو پھر اعتدال پسندانہ روش تو یہی ہو سکتی ہے کہ ظالم کو ظلم کی کھلی چھٹی دے دی جائے تاکہ وہ جس طرح چاہے مشتق ناز کرتا رہے اور کوئی آواز نہ اس پر نفیر بھیجنے والی اور کوئی ہاتھ اس کا ہاتھ روکنے والا نہ رہے اور عوام بڑی بے چارگی اور بے بسی مگر مکمل خاموشی کے ساتھ اپنی بربادی کو دیکھتے رہیں۔ اگر یہ طرزِ عمل ہی بعض لوگوں کے نزدیک اعتدال کی راہ ہے تو ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے

ہیں کہ اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسری راہ نہیں۔

ایک ملک نہیں بلکہ پورا شرقِ اوسط اسی راہ پر چل کر تباہ و برباد ہوا ہے اور ابھی مزید بھڑکا ہے۔ وہاں جو غوثی ڈرامہ کھیلا گیا ہے اس کے سارے مناظر اسی انداز فکر کی بھیاں دکھاتے ہیں کہ اس کے سارے ممالک میں اسلام کا نام تو لیا جاتا تھا مگر اسلام کسی معاشرے کو جن رُوحانی، اخلاقی اور دنیوی برکات سے محروم کرتا ہے، یہ ممالک کافی حد تک اُن سے محروم تھے۔ اس کی وجہ برسرِ اقتدار طبقوں کی غیر اسلامی روش تھی۔ ان لوگوں نے اسلام کو استحصال کا ایک ذریعہ بنا رکھا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً اسلام سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار تو کرتے رہتے مگر اسلام اپنے ماننے والوں سے جس ایثار اور خلوص جس ضبطِ نفس جس خدا خونی اور پاک بازی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جس گہری لگن کا مطالبہ کرتا ہے اس کی کوئی جھلک اُن کی عملی زندگی میں نظر نہ آتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلم سوسائٹی اسلام کے ان مجبوتے و عویداروں سے بدظن ہو گئی۔ اس خلا کو بھانپتے ہوئے اہل مغرب نے ان ممالک میں اپنے باطل افکار و نظریات کو پھیلانا شروع کر دیا۔ اسلامی تعلیمات سے نا آشنا اور اسلام کے نام پر ریشہ و دانیوں سے آشنا فوجانوں کو جب یورپ میں پڑھنے اور تربیت پانے کے مواقع ملے تو انہوں نے مغربی تہذیب سے گہرے اثرات قبول کیے، اور وہ مشرقی ممالک میں واپس آکر ان باطل نظریات کے پُر جوئن مبلغ اور داعی بن گئے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی ایک بُری وجہ اُن کی اپنی ذہنی اور عملی آماجگی بھی تھی۔ یورپ میں کچھ مدت رہنے کے بعد انہیں بعض ایسی قبیح عادات لگ چکی تھیں جنہیں ایک مسلم معاشرہ کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف یہ فوجان ان بُری عادات کو ترک کرنے پر بھی آمادہ نہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ اونچے گھرانوں کے چشم و چراغ تھے اس لیے جب انہوں نے مغربی ممالک سے واپس آکر اونچے مناصب سنبھالے تو انہوں نے اس امر کی کوشش کی کہ معاشرے کے اندر ایسا بگاڑ پیدا کیا جائے جو اُن کے اپنے اخلاقی بگاڑ کو بلا چون و چرا قبول کرے۔ ادھر مغربی ممالک نے ان مشرقی صاحبِ بہادروں کی پوری قوت سے پشت پناہی شروع کر دی اور اس طرح مسلم ممالک میں ایک خوفناک سازش اور کشمکش کا آغاز ہوا۔ اہل مغرب نے مسلمان ممالک کو خود بھی جہاں تک ہو سکے تاخیر و تاوان اچ کیا مگر ان کی زیادہ تر کوشش اس بات پر مرکوز رہی کہ ان ممالک کے

نوجوانوں کے ذریعے اُن کے معاشرے میں نقب لگائی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر طرح کی مدد پہنچائی۔ مغرب کے ٹکری اسلمہ خانہ سے انہیں باطل افکار و نظریات بھی دیئے، امورِ مملکت میں انہیں فیصلہ کن حیثیت بھی دلوائی اور مال و زر سے اُن کی دستگیری بھی کی۔ وہ بالکل صحیح طور پر یہ سمجھتے تھے کہ جس کام کو اہل مغرب دو سو سال کے لمبے عرصے میں براہِ راست تسلط کے باوجود پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہے ہیں اس کام کو مغرب کے پرستار نوجوان جلد از جلد کامیابی کے مراحل تک پہنچا دیں گے۔

مغربی افکار کے حامل ان لوگوں کو مسلم معاشرے نے گواہی تک قیادت کے لیے قبول نہیں کیا ہے لیکن چونکہ اُن کی ٹیٹ پر مغرب کی پوری قوت موجود ہے اس لیے اُن کے خیالات ان کی شخصیتوں اور اُن کے کاموں کو بڑی عیاری کے ساتھ عوام کے سامنے لایا جاتا ہے جیسے کہ مسلمانوں کی کوئی بہت بڑی قوت ہیں۔ پھر انہیں کسی معاشرے میں غیر معمولی طور پر موثر اور صاحب اختیار بنانے کے لیے نہ صرف اُن کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے غلابے ملائے جاتے ہیں بلکہ عوام کو دہشت زدہ کرنے کی انہیں باقاعدہ تربیت بھی دی جاتی ہے کہ ”خاموش اکثریت“ ان کی ظاہری قوت سے خوفزدہ ہو کر اپنا سارا وزن اُن کے پلڑے میں ڈال دے۔ یہ جبر و تشدد کے نعرے اور پروگرام کسی وقتی ہیجان کا نتیجہ نہیں بلکہ استبداد کو مستط کرنے کا باقاعدہ ایک منصوبہ ہے۔

آج دنیا کا کوئی ایسا ملک ہے جہاں مسلم معاشرے کی عظیم اکثریت اور مغربی تہذیب کے چند سرچھرے پرستاروں کے درمیان یہ ہولناک جنگ برپا نہیں ہے۔ مصر اسی کشمکش سے تباہ ہوا۔ سوڈان، شام، عراق، البانیا غرض دنیا کے سارے ممالک کو اس آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ان کا جو حشر ہوا ہے اور جو ابھی ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اسے دیکھنے کی کوئی حساس دل تاب نہیں لاسکتا۔ اقلیت کو اکثریت پر اس کی منشا و مرضی کے علی الرغم مسلط کرنے اور اسے اپنے دلپند بیج پر زبردستی گھسیٹنے کے جنون نے بھائی کو بھائی کے خلاف صف آرا کر دیا ہے اور ایک ہی معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو دو سو سال کی غلامی نے اس قدر تباہ و برباد نہیں کیا تھا جو آج آپس کی اس محزونانہ کشمکش نے کیا ہے۔ اس باہمی سرکھپول کی وجہ سے مسلم سوسائٹی کی قوتیں ضائع ہوئی ہیں۔ اور اس کشمکش کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ اس میں ایک محدود سا طبقہ مسلم قوم کی اس رگ پریشانی چلانے کے درپے ہے جو رگ جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ان مسلمان ممالک کو اس کشمکش سے آخر کیا فائدہ ہوا ہے؟ کیا ان کی قوت بڑھی ہے؟ کیا ان کی حیثیت بہتر ہوئی ہے؟ کیا دنیا میں ان کا سیاسی و دینی فائدہ ہوا ہے؟ یہ سارے ممالک جو اس کشمکش کی آماجگاہ بنے ہیں ان میں جان و مال، عزت و اکبر و کے ناقابلِ قصود زیاں کے علاوہ معاشی، سیاسی اور اخلاقی طور پر زبردست تباہی ہوئی ہے۔ خوف و ہراس کی وجہ سے سرمایہ کاری میں غیر معمولی کمی ہوئی ہے جس سے عوام کی معاشی حالت دن بدن دگرگوں ہوتی جا رہی ہے۔ وہ فوج جس پر ان ممالک کے عوام بڑا انیثار کر کے بے پناہ دولت خرچ کر رہے ہیں اور جس سے وہ بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں دشمنوں کے حملوں سے بچائے گی وہ خود ان انیثار کرنے والوں کے خلاف صف آرا ہے۔

اسلام، اور اس کی اخلاقی اور دینی روایات نے مسلم معاشرے کے اندر ایک تہذیب اور فکری پیدا کر رکھی تھی۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو کا محافظ تھا۔ مگر آج باطل ازموگ پرستاروں نے مسلم معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کا دسازہ اور نفی بنانے کے بجائے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر فرد دوسرے کی جان لینے کے درپے ہے اور یہ مسلم معاشرہ جو کبھی شرافت اور باہمی اخوت کی بنا پر دنیا میں ممتاز تھا آج ایک ایسے خوفناک جنگل کا نقشہ پیش کرتا ہے جو درندوں سے آباد ہے۔

مشرق اوسط کو فوری طرح برباد کر دینے کے بعد اب یہ باطل قوتیں پاکستان کی طرف متوجہ ہوئی ہیں، کیونکہ یہ ان کے نزدیک اسلام کا سب سے مضبوط حصہ ہے، جیت تک یہ دینی اعتبار سے پاش پاش نہیں ہو جاتا۔ اتریت اور مغربی تہذیب کے عالمگیر تسلط کا خواب ان کے خیال میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کر کے یہاں لاڈ لایا ہے۔ اور جو نتائج

انہوں نے دوسرے مسلم ممالک میں پچاس برس کی محنتِ شاقہ کے بعد حاصل کیے ہیں وہ انہیں اس ملک میں دوچار برسوں میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان کے نقطہ نظر کے مطابق پاکستان اُن کے لیے سب سے بڑا چیلنج بھی ہے۔ اور اگر وہ اپنے غرام میں کامیاب ہو جائیں تو سب سے بہتر نتائج بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ ان کے لیے سب سے زبردست چیلنج اس بنا پر ہے کہ دنیا میں یہ واحد ملک ہے جو اس بیسویں صدی میں قومیت کے مغربی تصور کے در عروج میں پورے سیاسی شعور کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ اس بنیاد پر جس قدر لوگوں و شبہات اور جس قدر بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب ماضی میں پیدا ہوئیں، مگر مسلمانوں نے عقلی و نقلی دلائل اور غمِ راسخ اور جوشِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان قوم کے بارے میں یہ سارے خیالات ادیانِ باطل ہیں اور اس کی قومیت کی بنیاد دین کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر ان باطل قوتوں کو اس امر کا بھی پوری طرح احساس ہے کہ اس ملک میں سفید سامراج اور سرمایہ داری کے لیے کوئی گوشہ انفعات موجود نہیں۔ مگر نئے مسلم قوم کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں اور اس پر جس قسم کے مظالم ڈھائے ہیں اور اسے جس دشتِ ناک انداز سے برباد کیا ہے۔ یہ سارے زخم ابھی تک اس کے سینے میں تازہ ہیں اور اُن سے برابر خونِ بس رہا ہے۔ اس کے علاوہ جس قسم کے لائیکل مسائل پیدا کر کے انہوں نے ملک کو چھوڑا ہے اور جانے کے بعد بھی اپنے بھائی بندوں سے مل کر جس قسم کی کھلی اور چھپی سازشیں کرنے میں وہ ابھی تک مصروف ہیں اُن کی موجودگی میں اس بات کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہو سکتا کہ سفید سامراج کو یہاں قدم جمانے کا کوئی موقع مل سکے گا۔ یہ سامراج اپنے ساتھ جو معاشی نظام سرمایہ داری کی صورت میں لایا ہے اس کی تباہ کاریوں سے ایک فرد بھی نا آشنا نہیں بلکہ قوم کی عظیم اکثریت اس کے زخموں سے کراہ رہی ہے۔ ملکی دولت کے اتنی فیصد کا صرف بیس خاندانوں میں اتنے کا زرخیز ملکی آقاؤں کی خدمت کے صلے میں جاگیر داریوں کا قیام، سٹہ، سود خوری اور دوسرے ناجائز ذرائع کی مدد سے دولت کی غیر عادلانہ بلکہ انتہائی غیر منصفانہ تقسیم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غربت و افلاس کے بڑے المناک مناظر کو اس ملک کے رہنے والے آئیں طرح بھلا سکتے ہیں۔

اس ملک کی سو فیصد آبادی سفید سامراج اور اس کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام کو سرتاپا لعنت سمجھتی ہے یہاں ایک لکھ میں سے ایک متنفذ بھی ایسا نہیں مل سکتا جو اس لعنت کو اپنے

حق میں کسی طرح بھی خیر سمجھتا ہو۔

اہل مغرب کا اگر یہاں تسلط قائم ہو سکتا ہے تو سُرخ سامراج کی مدد سے اشتراکیت کی صورت میں ہی قائم ہو سکتا ہے۔ سُرخ سامراج یہاں ابھی تک آزمایا نہیں گیا اس لیے بعض لوگ اس کی تباہ کاریوں کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ اشتراکیت چونکہ ایک ایسی انقلابی قوت ہے جس کے ذریعے اس ملک کے مروجہ نظام کو نہ وبالا کیا جاسکتا ہے اس لیے بعض اچانک اس کی اس غیر معمولی قوت سے خیر کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیلاب اس ملک کی ساری غلامتوں کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔ مگر انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اس کے آنے سے غلامتیں تو شاید کم ہی دُور ہوں البتہ اخلاقی اور روحانی اقدار کا یکسر خاتمہ ہو جائے گا۔ اور پھر یہ سیلاب اتنی قوت، اتنی تندی و فہری اور اتنے خوفناک گردابوں کے ساتھ آئے گا کہ اُن کی گرفت سے نکلنا قریب قریب ناممکن ہوگا، پُورے معاشرہ اس کے نیچے دب کر رہ جائے گا۔ اور عوام میں سرے سے یہ قوت و طاقت ہی نہ رہے گی کہ وہ اس کے بوجھ اور بھورے سے آزاد ہو کر سطح پر آئیں اور دنیا کو اپنے مصائب اور اپنی محرومیوں سے آگاہ بھی کر سکیں۔

جماعت اسلامی اور دین کی علمبردار بعض دوسری جماعتوں کا گناہ صرف یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو سُرخ سامراج کے جلو میں آنے والے خطرات سے آگاہ کر رہی ہیں اور انہیں یہ تیار ہی ہیں کہ جن بُرائیوں کو ختم کرنے کے لیے تم اشتراکیت کی طرف لپک رہے ہو، سُرخ انقلاب کے بعد یہ ساری برائیاں جو اُن کی قوت ایک مُستبد اور جابر آمریت کے زیر سایہ قائم رہیں گی اور پرورش پائیں گی۔ البتہ جو خیر اور بھلائی اسلام کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے اس سے تم بالکل محروم کر دیئے جاؤ گے۔

یہ وہ گناہ ہے جس کی وجہ سے جماعت اسلامی اور دوسری خادمِ دین جماعتوں پر غیظ و غضب کی آگ برسائی جا رہی ہے۔ یہ کوئی اتفاقی حادثہ یا وقتی جوش نہیں بلکہ یہ کام شروع ہی سے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت خوب سوچ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے ہی ان باطل قوتوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ دینی حماز پر جماعت اسلامی ہی ایک ایسی قوت ہے جو اپنا ایک واضح پروگرام رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ایک مضبوط تنظیم بھی رکھتی ہے۔ اس لیے سب سے

زیادہ بلغا راسی کے خلاف شروع ہوتی ہر حکومت نے اسے اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھا اور ہر بہانے اسے دبانے اور مٹانے کی کوشش کی۔ اسی طرح اس ملک کی ہر باطل قوت نے جماعت اسلامی کو عوام میں بدنام کر کے اس کی طاقت کو توڑنے اور اس کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کی۔ ان قوتوں کو جماعت اسلامی کے وزن کا اچھی طرح اندازہ رہا ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی لپٹی طرح آگاہ رہی ہیں کہ یہی جماعت اُن کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اگر وہ اسے رستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر وہ آسانی سے میدان مار لیں گی۔ جماعت کے خلاف یہ سارا غیظ و غضب ایک نہایت گہرے اندرونی اضطراب کا پتہ دیتا ہے۔

عافیت کوشی کے سکون کو برقرار رکھنے اور غیر جانبداری کے ملحد مقام پر فائز رہ کر اپنے آپ کو گالیبول اور الزامات کے چھینٹوں سے بچانے کے لیے یہاں کی ”خاموش اکثریت“ اور بعض سیاسی جماعتیں جو طرز عمل چاہیں اختیار کریں مگر انہیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اگر وہ اسلام کے معاملے میں مخلص ہیں اور وہ یہاں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام کے نفاذ کو برداشت نہیں کر سکتیں تو وہ ان گالیبول اور الزام تراشیوں سے بھی کبھی نہیں بچ سکتیں۔

اس انداز پر سوچنے والے آج اگر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوئے اس کشمکش سے بے تعلقی رہنا چاہتے ہیں تو رہیں۔ ہم اُن سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کرنا چاہتے۔ مگر ہمیں جس طرح اس بات کا یقین ہے کہ شام کو ڈوبنے والا سورج کل صبح بغیر طلوع ہو گا اس سے زیادہ یقین اور وثوق کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظالموں کے ہاتھ سے اگر آج جماعت اسلامی محفوظ نہ رہے تو کل اُن کے گریبان بھی محفوظ نہ ہوں گے۔ معاملہ سارا تقدیم و تاخیر کا ہے۔ ملک کے اندر آمد باہر کی باطل قوتوں کو یہاں اسلام کی بیخ کنی کرنی ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کا رشتہ اخوت ٹوٹتا ہے اور خود مغربی پاکستان میں بھی علاقائی عصبیت ابھر کر اس کے شیرازہ کو منتشر کر سکتی ہے۔ اسلام کی بنیاد پر پاکستان کے وجود کے قائم رہنے سے مغربی سامراج اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل نہیں کر سکتا اگر اسے اس خطے میں اپنے استعماری عزائم کی تکمیل مددگار ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سرزمین سے اسلام کو نکال دے۔

اپنے آپ کو ان باطل پرستوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے والے لوگوں کو عافیت کے گوشوں سے ذرا باہر جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کی یورش کا انداز کیا ہے۔ یہ لوگ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی اور اسلام کے دوسرے ہی خواہوں کو آیا محض اس لیے ننگی گالیاں دیتے ہیں کہ انہیں ان سے کوئی معقول وجہ شکایت ہے؟ یا یہ اُس شدید جھنجھلاہٹ کا اظہار ہے جو انہیں اپنے مقصد کی راہ میں حائل ہونا دیکھ کر اُن کے اندر پیدا ہوئی ہے؟

اگر وجہ شکایت معقول ہو تو اس کے اظہار کا انداز بھی معقول اور شائستہ ہوتا ہے اور شکایت کو اسی دائرے تک محدود رکھا جاتا ہے جس کے بارے میں فی الواقع شکایت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں کسی فرد یا گروہ کو اپنے مقاصد کی راہ کا سنگ گراں سمجھ لیا جائے تو پھر شکایت کا اظہار شرافت سے نہیں کیا جاتا بلکہ جھوٹ، فریب، اقرا پر دازی اور بدزبانی کی یورشوں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی ایک لمحہ بھی ایسا گزرنے نہ پائے جس میں اپنے مخالف کو پوری طرح ذلیل و رسوا نہ کر دیا جائے۔

اس وقت بظاہر اس مجنونانہ عداوت اور دشمنی کا رخ چند افراد اور حلقوں کی طرف ہے لیکن اگر ذرا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ عداوت اور دشمنی درحقیقت اس نظامِ حیات کے خلاف ہے جو اُن کے دلپند نظام سے متصادم ہے۔ رائے عام کے خوف کی وجہ سے اُن میں ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس نظام کے خلاف کھل کر کوئی بات کہہ سکیں۔ اس لیے وہ اپنے دل کی بھڑاس اُن جماعتوں اور افراد کو گالیاں دے کر نکالتے ہیں جو اُن کے نزدیک اسلام کی قوت میں اور جن کی وجہ سے اُن کے عزائم بروئے کار نہیں آ رہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہیں، صرف چند پہلوؤں پر غور کرنے سے حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کیجیے کہ اگر ان لوگوں کو اسلام ہی عزیز ہے تو پھر یہ لوگ اسلام کے ساتھ دوسرے ازموں کی پیوندکاری یا اسلام کو دوسرے ازموں کے مطابق ڈھلنے کی کوششیں کیوں کرتے رہتے ہیں؟ اس قسم کی کوششیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ یہ اسلام کو ایسا مکمل ضابطہ حیات

نہیں سمجھتے جو ہر دود کے لیے صحیح اور برقی ہے۔ پیوند کاری کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب کوئی نظام ناقص ہو اور اُسے بہتر بنانے کے لیے کسی دوسرے نظام کے اصول اس میں شامل کرنے کی ضرورت پیش آتے۔ یا پھر کسی نظام کو وقت کے غالب نظاموں کے سانچے میں ڈھالنے کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لاشعور میں یہ بات موجود ہو کہ ہمارا اپنا نظام بوسیدہ ہو چکا ہے اور وہ وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

دوسری چیز جس سے کسی تحریک کے دھماکا کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ اُس کا طرزِ عمل ہوتا ہے۔ پاکستان میں قریب قریب ساری سیاسی پارٹیاں اسلام کا نام لیتی ہیں، مگر عملی زندگی میں ان کی سعی و جہد دیکھنے سے اس حقیقت کا کھوج لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کے معاملے میں یہ کتنی مخلص ہیں۔ مثلاً اسلام کا نام لینے والی جن پارٹیوں کے جلسوں اور اجتماعات میں رخصت ہوتے ہوں، اور اپنے مخالفوں کو نکلی گالیاں دی جاتی ہوں اُن کی اسلام پسندی کا اندازہ تو ان کے افعال ہی سے ہو سکتا ہے۔

تیسری چیز کسی پارٹی کا وہ مزاج اور اندازِ فکر ہے جو اس کے کارکنوں کی سیرت و کردار کے اندر جھلکتا ہے۔ اگر کسی تحریک کا مزاج اسلامی ہوگا تو پہلی منزل پر اس کے کارکنوں کے دل میں شعائرِ دین کا احترام پیدا ہوگا۔ اور ان کے دل میں فرائضِ اسلام کی پابندی کا ذوق اور ولولہ بھی ابھرے گا۔ لیکن اگر کسی تحریک کے کارکن دین کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں، فرائض سے گریزاں اور کبار کے متکبرِ نظر آئیں تو اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان کے دل اسلام کے خلاف نفرت اور کدورت سے بھرے ہوئے ہیں اور ایسی وجہ سے وہ شعائرِ دین کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ جس محفل میں نماز کا سوا گم رچا کر علانیہ شراب خوری کی جاتی ہو اور جن سے حاضرینِ لطف اندوز ہوتے ہیں اس کے متعلق یہ سوچنا کہ یہاں اسلام کے لیے عزت و احترام کا کوئی گوشہ موجود ہے، محض دیوانگی ہے۔

ہم نے اوپر جن تین پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہ کوئی ایسے چھپے ہوئے خفاقی نہیں جن سے ملک کی عام آبادی واقف نہ ہو۔ ہر شخص جو ذرا آنکھیں کھول کر چلنے کا عادی ہے اور معاملات کی معمولی سوجھ بوجھ رکھتا ہے وہ انہیں آسانی سے دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔ پھر ان خفاقی کے سامنے آجانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل نہیں کہ ان سرگرمیوں کے پیچھے کون سے محرکات اور عوامل

کام کر رہے ہیں اور ان کے بڑھنے اور پھیلنے پھولنے سے اسلام اور مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا! اللہ تعالیٰ پاکستان اور اہل پاکستان کو اُن کے بڑے نتائج سے محفوظ رکھے لیکن ملک کے اندر جو سرخ آندھیاں اُٹھ رہی ہیں وہ کسی بڑے خوفناک طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔ جو فرد یا گروہ اُن کی قوت اور اُن کی تباد کاریوں کو محسوس نہیں کرتا یا اُن سے اغماض کرتا ہے یا اُن کی روک تھام کے لیے جدوجہد نہیں کرتا، اسے کبھی بھی دانشمند اور ملک و ملت کا خیر خواہ نہیں کہا جاسکتا۔

ممکن ہے کہ دشمن غیر جانبداری کی روش اختیار کرنے والوں سے تعرض نہ کرے لیکن انہیں یہ بتا پوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ اس طوفان کی زد سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ یا تو یہ طوفان انہیں اپنے رُخ پر دھکیل کر لے جائے گا یا پھر اسلام کے پہلے حصار کو توڑنے کے بعد انہیں بھی بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ اب یہ فیصلہ کرنا اُن کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے لیے کونسا انجام پسند کرتے ہیں؟ اگر ہوا کے رُخ کے مطابق چلنا ہی عین اسلام ہے اور اُن کے اسلام سے محبت کے دعوے کا یہی منشا ہے تو پھر یہ اسلام وہ دین نہیں ہو سکتا جو تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ لیکن اگر اس دین سے مراد وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی اور انہیں باطل نظاموں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے تو وہ دین اپنا ایک مستقل وجود رکھنے کی وجہ سے ہر سانچے میں ڈھلنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا تو نوع انسانی سے مطالبہ یہ ہے کہ تم اپنے سارے معاملات کو اس کے مطابق ڈھال کر دیو اور اُخروی فلاح حاصل کرو۔ اس دین حق کو ماننے والے آخر باطل کی کمر سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟ اس معاملے میں غیر جانبداری غافیت کو مشعل کو تصادم سے کس طرح بچا سکتی ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

اب ایک بات ہم اُن علماء سے بھی کہنا چاہتے ہیں جو دانتہ یا نادانتہ طور پر ان باطل پرستوں کے ماتحتیں کھیل رہے ہیں۔ ہم اُن سے بڑی دلسوزی کے ساتھ یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے طرز عمل پر منجیدگی سے غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ایک جماعت اور ایک شخصیت کے ساتھ اُن کی پرچاش انہیں کس مقام پر لے گئی ہے۔ غفل باور نہیں کر سکتی کہ خدا اور چرچ میں کوئی مسلمان اس سطح پر اتنے بھی سکتا ہے کہ اس

جماعت کے ہر کام اور اس کے سربراہ کی زبان و قلم سے نکلی ہوئی ہر بات میں کیڑے ڈانا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن بن جاتے اور اسی ایک کام میں وہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری صلاحیتیں کھپا دے۔ یہ اندازِ فکر اور طرزِ عمل ان لوگوں کو تو قطعاً زیب نہیں دیتا جو وارثانِ انبیاء کہے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان تو فطری طور پر توحید پرست اور توحید پرست ہوتا ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی دونوں میں حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ جماعتِ اسلامی سے اگر آپ کو اختلاف ہے تو بیشک اس اختلاف کا اظہار کیجیے۔ اگر آپ کے اختلافات کی نوعیت اتنی شدید ہے کہ آپ اس کے ساتھ شامل ہو کر چل نہیں سکتے تو بیشک اپنے مقدس قافلے کو الگ چلائیے۔ اور اگر مخالفت بھی ضروری ہو تو دیانت اور شائستگی کی کسی حد کو ملحوظ رکھ کر مخالفت بھی کر لیجیے۔ لیکن اس بات پر ضرور غور کریجیے کہ کہیں جماعت کی دشمنی میں آپ ایسے کارواں کے ساتھ تو شریک نہیں ہو گئے جو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر و الحاد کی خوفناک وادیوں کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جن لوگوں کے آپ شریکِ کار میں ہیں جن کا ساتھ ہر معاملہ میں آپ دے رہے ہیں جنہیں ہر کام پر دنیا آپ کو شانہ بشانہ چلتے دیکھ رہی ہے، اسلام کے بارے میں ان کے نظریات کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کی نجی زندگی اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کی جیسی کچھ شہادت دیتی ہے، اور بلکہ میں جس کر دار کا وہ مظاہرہ کر رہے ہیں، اور جن مقاصد کو لے کر وہ اس ملک میں اپنی تحریک چلا رہے ہیں، یہ سب چیزیں بھی کوئی ایسا راز نہیں ہیں جو سب کو تو نظر آتا ہو مگر آپ کی نگاہوں سے مخفی ہو۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں ان لوگوں کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کا جو شر ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے وہ بھی عالمِ آشکارا ہے۔ آپ کو ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہو کر اپنا حساب دینا ہے۔ اس بات کو نہ بھولیے اور اسے سوچ کر ہی اپنے لیے کوئی لائحہ عمل از سر نو مرتب کیجیے۔ یہ بات ہمیشہ نگاہ میں رکھیے کہ انقلابی تحریکیں تندرست و تیز دھارے کی طرح آگے بڑھتی ہیں چند افراد یا گروہوں کے اُن میں شامل ہونے سے نہ تو اُن کی تندی میں فرق آتا ہے اور نہ اُن کا رخ تبدیل ہو سکتا ہے۔ انہیں باقاعدہ ایک عزم اور ارادے کے ساتھ چند مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لیے چلایا جاتا ہے۔ اور اُن کی روشنی ہی میں اُن کی رفتار، اُن کا مزاج اور ان کا طریقِ کار متعین ہوتا ہے۔ پھر افکار و خیالات کے مخصوص سرچروں سے ان کو غذا مہیا کی جاتی ہے اور ایک خاص تنظیمی ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے۔ ان تحریکات کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ چند نفوس یا چند گروہوں کی شرکت اُن کے مزاج اور ان کے رخ کو تبدیل کر دیتی

سختی عام خیالی ہے۔ یہ افراد اور گروہ ان پر تو کیا اثر انداز نہ ہوں گے، خود شکوک کی طرح ان کے ساتھ یہ جائیں گے اور جو ان کے ساتھ بیٹنے سے ذرا گریز کریں گے انہیں اس تحریک کی کف بدہن موعیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گی۔

علماء کے ایک گروہ کی یہ غلطی کوئی نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ اس دلیل سے دھوکہ کھا چکے ہیں کہ اگر انہوں نے باطل مگر عوام کے لیے باعث کشش تحریکات کا ساتھ نہ دیا تو عوام حق سے برگشتہ ہو کر باطل کے علمبردار بن جاتیں گے۔ جو لوگ حق سے برگشتہ ہو کر باطل کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کا عزم کر چکے ہیں انہیں ان جیلوں سے باز نہیں رکھا جاسکتا بلکہ دینی شکل و صورت کے لوگوں کی ان کی صفوں میں موجودگی باطل کو اپنا بھیانک چہرہ چھپانے اور اپنے ناپاک عزائم کو مقدس بنا کر پیش کرنے کا موقع بہم پہنچا دیتی ہے۔ اس قسم کے عاقبت نازدیشانہ طریقہ عمل کے نتائج تاریخ میں پوری طرح محفوظ ہیں۔ روس میں ملاؤر اور اس کے ساتھیوں نے اس دلیل کی بنیاد پر اشتراکی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ آغاز میں عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ان کی بڑی پزیرائی کی گئی۔ انہیں غریبوں اور بے کسوں کا ہمدرد بنا کر ان کی شان میں لمبے چوڑے قصیدے پڑھے گئے۔ اور جن لوگوں نے اس تحریک کے تیور اور مزاج کو بھانپ کر اس سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا، انہیں رجعت پسند اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ کہہ کر خوب رسوا اور بدنام کیا گیا۔ لیکن جب اشتراکی انقلاب کا میاب ہوا تو ملاؤر اور اس کے ساتھیوں کا جو المناک حشر ہوا اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ ظالموں نے سب سے پہلے اپنی لوگوں کو یہ سوچ کر ختم کیا کہ یہ افراد جو ہمارے ساتھ اس عہد وجد میں شروع سے آخر تک شریک رہے ہیں، یہ چونکہ ہماری کمزوریوں اور ہمارے عزائم کو اچھی طرح جان چکے ہیں اس لیے یہ ہماری راہ میں حائل ہو سکتے ہیں۔ ان کی سابقہ خدمات کی بنا پر انہیں استعمار کا ایجنٹ یا عوام کا دشمن کہہ کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا نہ جاسکے گا اس لیے سب سے پہلے ان سے چھٹکارا پانا چاہیے۔ چنانچہ انقلاب کے تھوڑی مدت بعد اپنے خاص کمائنوں کے ذریعے ”غریبوں کے ان ہمدردوں کے خلاف باقاعدہ ایک مہم شروع کی گئی اور ان پر وہی الزامات عائد کیے گئے جن سے بچنے کے لیے انہوں نے اشتراکی تحریک کا ساتھ دیا تھا جگہ جگہ ان کے خلاف

قرار دایں پاس ہوئیں کہ یہ مولوی عوام دشمن ہیں۔ کیونکہ یہ حلال و حرام کے مسئلے لے بیٹھے ہیں اور اس وجہ سے انقلابی قوتیں صحیح طور پر کام نہیں کر سکتیں۔ اس لیے انقلاب کے ان چھپے ہوئے دشمنوں کو سب سے پہلے ختم کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بڑی اذیت ناک منرائیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ان عبرتناک تاریخی حقائق کی موجودگی میں ہم جب ان انٹراکٹیت نواز علما کی غلط فہمیوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ترس آتا ہے کہ آخر کار جب ان کی آنکھیں کھلیں گی اس وقت ان پر عرصہ چائے تنگ ہو چکا ہوگا اور سرمایہ داروں کے ایجنٹوں سے بھی پہلے ان کی شامت آپکی ہوگی۔

عاقبت اندیش اور دانشمند آدمی وہ نہیں ہوتا جس کی آنکھیں بُرا انجام دیکھ کر کھٹیں بلکہ وہ شخص ہوتا ہے جو حالات کے رخ سے انجام کو بھانپ لے، اور اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے تدارک کی فکر کرے جس اصطلاح کو قرآن مجید نے عبرت سے تعبیر کیا ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے کے حالات و واقعات سے سبق لیا جائے اور اپنے آپ کو بربادی سے بچایا جائے۔ سفید سامراج کی غارت گریوں سے تو آپ بخوبی واقف ہیں اور اس وجہ سے اس کی مخالفت میں آپ بڑے سرگرم ہیں۔ یہ مخالفت بالکل بجا اور درست ہے۔ سفید سامراج نے واقعی مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصانات پہنچائے ہیں۔ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ سرخ سامراج کے مظالم آپ کی آنکھوں سے اوجھل ہیں؟ اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس وقت تک اس سے براہِ راست سابقہ نہیں پڑا ہے اور اس وجہ سے ہم اسے اپنے اوپر مسلط کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تو یہ سراسر کوتاہ اندیشی ہے کیا ترکستان اور کاشغر ہم سے بہت دُور ہیں؟ کیا بخارا اور سمرقند جسمِ اسلامی کا کوئی حصہ نہ تھے؟ وہاں اسلام کی بیخ کنی ہوئی اور مسلمانوں کا جو حشر ہوا وہ ہمارے آنکھوں کو کھولنے اور ہمارے احساسات کو بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں؟ کیا شرقِ اوسط کی حالتِ زار سے ہم کوئی عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں؟ کیا ہم اس حد تک کوتاہ نظر ہو گئے ہیں کہ جب تک خود پاکستان کے باشندوں کو انٹراکٹیت کے الاؤ میں پھینک کر ان کا حشر نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہمیں اس باطل نظام کی تباہ کاریوں کا یقین نہیں آئے گا۔

(باقی صفحہ پر)